© rasailojaraid.com

مولانا عبیداللہ سندھی اور شہید اللہ بخش سومرو کی تاریخی ملاقات

از: خان محمد امین خان کھوسو

شاہ ولی اللہ اکیڈیمی (حیدرآباد سندھ) کے علمی مجلے الرحیم (سندھی) کے اگست ۱۹۷۱ء کے شمارے میں انھی مطالب پر مشتمل محمد امین خان کھوسو کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ میرے رشتہ نیاز کا آغاز اس وقت ہو چکا تھا۔ میں نے کھوسو صاحب سے درخواست کی کہ وہ مجھے اس کا اردو ترجمہ لکھوا دیں، انھوں نے فرمایا!

ترجمہ وہ کرے جو خود لکھنا نہ جانتا ہو اور مضمون نگار سے جس کا تعلق نہ ہو۔ تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم محض اس کے ترجمے پر اکتفا کرو میں تمھیں تفصیلی حالات و واقعات بتاتا ہوں ایک نیا مضمون لکھو، اس میں سندھی مضمون کے مطالب بھی آجائیں گے"۔

میں نے کھوسو صاحب کے ارشاد کی تعمیل کی اور اس طرح یہ نیا اور مفصل مضمون تیار ہو گیا،

[illegible]

(ابو سلمان شاہجہانپوری)

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات و افکار اور ان کے وجود مقدس کے متعلق کوئی عملی کام کر کے دکھانے سے پہلے کچھ لکھنا اور کہنا ہے تو بے ادبی کی بات لیکن بچشم گریاں، میں ان کے وصال کے بعد اُن کی رُوح سے معذرت کے ساتھ ایک تاریخی واقعہ بیان کر رہا ہوں یہ کوئی عام واقعہ نہیں بلکہ سندھ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیاسی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے اور وہ اہم موڑ ہے جہاں سے تاریخ کا ایک نیا باب کھلتا ہے۔

میں جن مصائب میں گھرا ہوا تھا اور افکار و عقائد کے جن عارضوں میں مبتلا تھا۔ ان سے رہائی اور شفایابی مجھے اس مسیحا نفس نے بخشی جسے دنیا عبیداللہ سندھی کے نام نامی و اسم گرامی سے یاد کرتی ہے میری کشتی حیات افکار کے سمندر اور سیاست کے بھنور میں ہچکولے کھا رہی تھی اور قریب تھا کہ میں اس میں ہمیشہ کے لیے ڈوب جاؤں کہ دقت کے ناخدا کا دست رہنما مددگار ہوا اور میری کشتی کو ساحل مراد سے ہمکنار کر دیا۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ کے متعلق میں کیا لکھ سکتا ہوں۔ ان کا علم، ان کا تجربہ ان کی بصیرت، ان کا مطالعہ اور مشاہدہ، جس چیز کے بارے میں غور کرتا ہوں عقل حیران رہ جاتی ہے، اور پائے عمل درماندہ، وہ اپنے دور میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے ان کی زندگی میں ہمارے لیے سبق تھے۔ ان کے افکار سے انقلاب کے سوتے پھوٹتے تھے وہ ایک عظیم انقلابی اور انقلاب سے آشنا کر دینے والی شخصیت تھے جو لوگ مولانا سندھی کی مجلس میں نہیں بیٹھے اور جنھیں مولانا سندھی مرحوم کی صحبت نصیب نہیں ہوئی، وہ ان کی انقلابی شخصیت اور انقلاب آفریں وجود کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے۔

مولانا عبیداللہ سندھی علیہ الرحمۃ میرے لیے خدا تعالیٰ اور خدا کے رسول تو نہ تھے لیکن اس کے بعد سب کچھ وہی تھے۔ میں نے اسلام انھیں سے سیکھا تھا اور اس کی حقیقت اور انقلابی روح سے حضرت سندھیؒ کے فیض صحبت سے آشنا ہوا تھا۔ میرا نام اسلامی تھا۔ میں مسلمان باپ کے گھر میں مسلمان ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اسلام کا نام لیتا تھا۔ اسلام کا کلمہ پڑھتا تھا۔ اسلامی عبادات پر عمل کرتا تھا۔ لیکن جب تک مولانا سندھی مرحوم سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ مجھے کوئی اندازہ نہ تھا اسلام کیا ہے؟ اس کی تعلیمات کیا ہے، اسلام کا مطالبہ کیا ہے، ہم چند رسوم اور روایات ہی کو اسلام سمجھے ہوئے تھے ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ زندگی اور زمانے کے مسائل میں اسلام ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔ مولانا سندھی سے ملے اور ان کی صحبت نصیب ہوئی تو پتا چلا کہ اسلام درحقیقت کیا ہے۔ اب ہم نے محسوس کیا کہ مسلمان تو ہم اب ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی کا یہ دور اس وقت شروع ہوا جب مولاناؒ ۲۵ برس کی جلا وطنی کے بعد ۱۹۳۹ء میں ہندوستان تشریف لائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا عبیداللہ سندھی، ۷ مارچ ۱۹۳۹ء کو کراچی کے ساحل پر اترے تھے اس وقت کی تمام سیاسی شخصیات سے میرا قریبی تعلق تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے اکثر صوبوں میں کانگریسی وزارتیں قائم تھیں اور سندھ کی حکومت کی باگ ڈور اس وقت میرے دوست اور یار اللہ بخش سومرو شہید کے ہاتھ میں تھی وہ اس وقت سندھ کے وزیر اعلیٰ تھے۔

اللہ بخش شہید نہایت بلند خیال اور پختہ کریکٹر کے شخص تھے وہ آزاد خیال تھے اور حریت نواز تھے تحریک آزادی کے کارکنوں کی وہ قدر کرتے تھے، ان کی سرپرستی فرماتے تھے تحریک آزادی کے صوبائی اور کل ہند سطح کے رہنماؤں سے ان کے تعلقات تھے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ کانگریس سے ان کا تعلق نہ تھا کانگریس کی طرف وہ محض میری دوستی کی وجہ سے مائل ہوئے تھے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے محض وزارتِ اعلیٰ کی وجہ سے کانگریس سے تعلقات پیدا کیے تھے۔ وہ ناواقف ہیں حقیقت کا انھیں علم نہیں، سندھ کی وزارتِ اعلیٰ کا منصب انھوں نے ہم لوگوں کے مجبور کرنے پر قبول کیا تھا، ورنہ وہ ایسے سیر چشم، فقیر منش اور درویش صفت انسان تھے کہ انھیں کسی عہدے اور منصب کا ذرا خیال نہ تھا۔

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ سندھ نے ابھی تک اللہ بخش شہید کا مقام اور مرتبہ نہیں پہچانا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پانچ پیروں کے مرکز شکارپور میں سویا ہوا اللہ بخش میری طرف دیکھ رہا ہے اور پوچھتا ہے کہ اہل سندھ نے اپنے مقام کو بھلا دیا ہے، اپنے مقصد کو فراموش کر دیا، اس کی منزل کیا تھی اور وہ کہاں جا رہا ہے؟

اس زمانے میں اگرچہ کانگریس کے رہنماؤں اور جمعیت علمائے ہند کے صوبائی اور کل ہند رہنماؤں سے میرے قریبی تعلقات تھے لیکن اللہ بخش سومرو شہید سے میرے تعلقات اور باہمی دوستی کی نوعیت بالکل دوسری تھی۔ وہ میرا اور میں اس کا رفیق اور یار غار تھا، ہمراز تھا، دم ساز تھا، اس سے ملے بغیر میرا کھانا نہ پچتا تھا۔ اللہ بخش سے میری دوستی سب پر عیاں تھی اور یک جان دو قالب کی مثال تھی۔ میرا یہ زمانہ درحقیقت خود فراموشیوں کا زمانہ تھا میں نے افکار کے کئی صنم تراشے تھے اور ان کی پرستش میں مصروف تھا اور ایک مسلمان خاندان سے مجھے وراثت میں جو زندگی ملی تھی۔ اسی کو اسلامی زندگی سمجھتا تھا اور اس زندگی کو اپنی صنم پرستیوں سے ہم آہنگ پاتا تھا یا اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طرف کبھی توجہ ہی نہ کی تھی۔

میں نے مولانا عبید اللہ علیہ الرحمٰن سندھی کا نام سُنا تھا کہ وہ ملک کی آزادی کا ایک انقلابی منصوبہ لے کر افغانستان گئے تھے، جس میں ناکامی ہوئی۔ انھیں افغانستان سے نکلنا پڑا ہندوستان کے دروازے ان پر بند تھے، وہ روس گئے تقریباً ایک سال وہ ماسکو میں رہتے، انقلاب کے روسی رہنماؤں سے ملے، وہاں سے نکلے تو ترکی چلے گئے، تقریباً دو دہاں گزارے اور پھر حجاز چلے گئے تھے اور مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ آزادی وطن کی خاطر انھوں نے ملک چھوڑا تھا اور جہاں بھی رہے اور جہاں بھی گئے، آزادیٔ وطن کے مسئلے کو انھوں نے کبھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ افغانستان میں افغانستان کے استقلال کی جنگ کی رہنمائی کی، آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت بنائی۔ نجات دہندہ فوج بنائی، کانگریس کی کابل شاخ قائم کی، روس گئے تو ہندوستان کی آزادی میں روس کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی، وہاں سے ترکی گئے تو وہاں بیٹھ کر آزاد ہندوستان میں اقلیتوں کے مسئلے کے حل کے لیے سندھ ساگر جتھا۔ تریدا اسکیم تیار کی اور حجاز پہنچے تو قرآن حکیم کے درس و مطالعہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علوم و معارف میں فکر و تدبر میں ہمہ تن مصروف ہو گئے اور حج کے لیے آنے جانے والوں کے ذریعے ہندوستان کی سیاست اور تحریک آزادی کا جائزہ لیتے رہے۔ میرے دل پر ان کے ایثار اور قربانی کا اثر تھا اور دل سے ان کی قدر کرتا تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب تک ان سے ملاقات نہ ہوئی تھی ان کے افکار کی اہمیت ان کی قربانیوں کی واقعی منزلت اور ان کی شخصیت کی عظمت کا مجھے کوئی اندازہ نہ تھا۔

ملک کی حریت پسند جماعتیں ایک مدت سے مولانا کے ہندوستان آنے پر پابندی کے خلاف تحریک چلا رہی تھیں۔ میں نے بھی آزاد سندھی اخبار میں جو قادر بخش نظامی کے ساتھ مل کر نکالا تھا مضامین لکھے اور مطالبے کیے۔ لیکن مولانا کی واپسی اسی وقت ممکن ہو سکی جب اللہ بخش کی حکومت نے مولانا کی واپسی کے بعد قانون کے دائرے میں اور عدم تشدد کا پابند ہو کر سیاسی کام کرنے کی ضمانت دی۔

اللہ بخش شہید کی وزارت سے پہلے شیخ عبدالمجید سندھی کے ایما اور اصرار پر سر غلام حسین مرحوم نے بھی حضرت مولانا کے وطن واپس آنے پر پابندی اٹھانے کا مطالبہ گورنمنٹ آف انڈیا سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیا تھا لیکن وہ مولانا مرحوم کے بارے میں کسی قسم کی ضمانت نہ دے سکی اللہ بخش کی حکومت نے گورنمنٹ آف انڈیا کو مولانا سندھی کی واپسی کے لیے ضمانت دی اور ان کی سرگرمیوں کی ذمہ داری قبول کی۔ تب کہیں مولانا کو وطن واپس آنے کی اجازت ملی اور آپ بحری جہاز کے راستے سے کراچی تشریف لائے۔ ساحل سمندر منوڑا پر سندھ کے اس اولوالعزم اور بہادر وزیراعلیٰ اللہ بخش سومرو شہید نے بہ نفس نفیس اپنی حکومت اور سندھ کے عوام کی طرف سے امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کو خوش آمدید کہا اور پرجوش استقبال کیا[1]۔ اگرچہ میں کسی وجہ سے استقبال کرنے والوں میں موجود نہ تھا لیکن میں نے اور میرے دوستوں نے اس سلسلے میں جو کوشش کی تھی وہ کامیاب ہو گئی تھی اور میں اس پر بہت مسرور تھا۔

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

سندھ کی سیاسی تاریخ کا یہ اہم ترین واقعہ ہے کہ جب ایک انقلابی اور آزادی وطن کی ضمانت کے لیے کوئی لیگی اور کانگریسی حکومت تیار نہ تھی تو عظیم سندھ کے ایک نامور سپوت نے ضمانت کی آزمائش میں اپنے تئیں ڈال دیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی کراچی میں ٹھیرے، مختلف طبقوں اور جماعتوں کے لوگوں سے ملے، ملک کے سیاسی حالات کا جائزہ لیا۔ ان کی جلاوطنی کے خاتمے کے لیے ہم لوگوں نے جو کوششیں کی تھیں، ان سے واقف ہوئے انھیں یہ بھی اندازہ ہوا کہ حکومت سندھ نے ان کی ضمانت دے کر کتنی بڑی ذمہ داری قبول کی ہے اور اس سلسلے میں ان سے اپنے کاموں کو عدم تشدد کی پابندی کے ساتھ قانون کے دائرے میں رکھنے کی کوئی فرمائش نہیں کی۔ اس بات سے ان کی طبیعت بہت خوش ہوئی اس دوران میں انھیں میرے اور اللہ بخش شہید کے باہمی قریبی روابط اور دوستانہ تعلقات اور ایک دوسرے پر اعتماد کا پتا چلا تو وہ میری طرف خاص التفات فرمانے لگے اور میں بھی جوں جوں ان سے قریب ہوا ان کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔

مولانا مرحوم کی جلاوطنی کے خاتمے کی تحریک میں میرے حصے اور اللہ بخش سے میرے تعلقات

---

[1] جس وقت شہید وزیراعلیٰ سندھ مولانا سندھی کو منوڑا میں خوش آمدید کہہ رہے تھے تو صرف اپنی اور اپنی حکومت اور سندھ کے عوام ہی کی طرف سے خوش آمدید نہیں کہہ رہے تھے بلکہ وہ پورے ہندوستان کے انقلابیوں اور حریت پرستوں کی طرف سے یہ اہم قومی فریضہ انجام دے رہے تھے۔ مولانا سندھی کی جلاوطنی کے خاتمے کی تحریک اور حکومت سندھ کا ان کی ضمانت دینا، تاریخ آزادی وطن کا ایک شاندار واقعہ ہے جس پر سندھ کو بجا طور پر فخر کرنا چاہیے۔ (... رشی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے بارے میں، انھیں ساری باتیں مولانا دین محمد وفائی، حکیم فتح محمد سیوانی اور مولانا حافظ محمد صادق (علیہم الرحمۃ) سے معلوم ہوگئی تھیں اور اس کے بعد وہ مجھ سے بہت محبت فرمانے لگے تھے میں اس زمانے میں سندھ زمیندار ہوٹل (بندر روڈ کراچی) میں مقیم تھا۔ ایک روز ٹھیک دوپہر کو مولانا کیلئے میرے ہوٹل میں تشریف لے آئے۔ مولانا کا اس طرح میرے پاس تشریف لانا میرے لیے بہت بڑی سعادت تھی میں بہت خوش ہوا، میں نے مولانا کی خاطر تواضع کی۔ مولانا نے فرمایا:

"جو واقعہ جس طرح ظہور پذیر ہوتا ہے، وہ درحقیقت اس طرح نہیں ہوتا، اس کا پس منظر ہوتا اس کے محرکات و ہیجات ہوتے ہیں۔ ان کا عمل جاری رہتا ہے تا آں کہ اس واقعے کے ظہور پذیر ہونے کے لیے مواد پک جاتا ہے اور وہ وقت آ جاتا ہے کہ واقعہ ظہور پذیر ہو جائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ ظاہر بین اور عام لوگ اسے دیکھ کر خوش یا غم زدہ ہو جاتے ہیں جب کہ ارباب فکر اس میں تفکر اور تدبر کرتے ہیں اور حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ واقعات و اعمال کے پس منظر میں اسباب و محرکات کو بڑی اہمیت ہوتی ہے یہ اسباب و محرکات ہی تو ہیں کہ بعض پسندیدہ اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج رد کر دیے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے عامل کا قلب اخلاص سے خالی ہوتا ہے اور اگرچہ بہ ظاہر وہ رونما ہوتی ہے لیکن اس عمل کا سبب قلب کا کوئی کھوٹ مثلاً: دین داری کا اظہار یا کوئی دنیاوی غرض ہوتی ہے۔ اسی طرح روزہ، حج یا کوئی اور عبادت یا نیک کام، اس کے برعکس یہ ظاہر کوئی ناپسندیدہ عمل اپنے عامل کے لیے بڑے اجر کا باعث بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس کے پس منظر میں نیت کی خرابی نہیں ہوتی۔"

میں نے مولانا مرحوم کے ان اقوالِ زریں کو بہت غور سے سنا مولانا نے اس تمہید کے بعد فرمایا:

"جب مجھے معلوم ہوا کہ حکومت سندھ میری جلا وطنی کے خاتمے کے لیے کوشش کر رہی ہے تو میں سوچتا تھا کہ اس معاملے میں حکومت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اس نظام اور مشنری کے پیچھے کوئی ہے جو اسے حرکت دے رہا ہے، مشین کو چلانے اور حرکت میں لانے کے لیے ایک باشعور ہستی کی ضرورت ہوتی ہے۔ مکہ معظمہ میں میرے لیے اس بات کی تحقیق کرنا ممکن نہ تھا، یہاں آکر میں نے اپنے دوستوں سے معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس تحریک کو چلانے والا، حکومت کی مشین کو حرکت میں لانے والا اور وزیرِ اعلیٰ کو ضمانت کے لیے آمادہ کرنے والا "میرا خان" ہے۔ اب میں "خان" کو پہچان گیا ہوں؟"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت مولانا مرحوم مجھے اسی لقب سے مخاطب کیا کرتے تھے۔

ویسے تو کئی جگہ مجلسوں اور دعوتوں میں مولانا سے ملاقات ہو جاتی تھی لیکن ان دعوتوں اور مجلسوں میں مولانا کے مخاطب دوسرے لوگ ہوا کرتے تھے اور میری حیثیت ایک عقیدت مند سامع کی ہوتی تھی لیکن جب وہ میرے پاس تشریف لاتے تھے تو کسی اور کو اپنے ساتھ نہ لاتے تھے اس وقت صرف میں مولانا علیہ الرحمۃ کا مخاطب ہوتا تھا مولانا کی محبت پر فخر ہے:

ایک روز مولانا دوپہر کو تشریف لائے، میرے ساتھ ہوٹل میں کھانا تناول کیا پھر فرمایا:

خان! کیا تمھیں خان بہادر اللہ بخش کے پاس مجھے لے چلنے کا خیال بھی ہے؟

میں یہ سُن کر خوشی سے اچھل پڑا، مجھے خیال ضرور آیا تھا کہ ان دونوں کو ملانا چاہیے لیکن اس خیال کو عمل میں لانے میں ادب مانع رہا، اور یہی سوچتا رہا کہ مولانا کو اللہ بخش کے پاس لے جاؤں یا اللہ بخش کو مولانا کے حضور میں پیش کروں۔ مولانا کو چلنے پر خود آمادہ پایا۔ تو مناسب معلوم ہوا کہ پہلے اللہ بخش کو بتا دیا جائے کہ مولانا تشریف لائیں گے چنانچہ ایک روز مولانا کو لے کر اللہ بخش کے پاس پہنچ گیا۔

سومروں نے تین سو برس سے زیادہ سندھ پر حکومت کی تھی۔ ان کا دور حکومت تاریخ سندھ کا شاندار دور تھا۔ جس میں ملک نے ترقی کی تھی، علوم وفنون کو فروغ حاصل ہوا تھا، رعایا خوشحال تھی اب پھر ایک بار سندھ کا سب سے بڑا حاکم اور وزیر اعلیٰ اسی خاندان کا ایک نامور فرد اللہ بخش تھا اور مجھے خوشی تھی کہ اسے اس مقام تک پہنچانے میں میرا ہاتھ بھی تھا۔ میرے لیے یہ منظر بڑا حیرت فزا تھا کہ سندھ کا سب سے بڑا حاکم میرے مرشد عبیداللہ سندھی کے حضور عجز و نیاز کا سر جھکائے کھڑا تھا میرا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ میری آنکھیں اس منظر سے تسکین حاصل کر رہی تھیں اس میں میرے لیے جو راحتیں مضمر تھیں۔ ان کی کیفیات بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ اسے صرف صاحب دل اور ذوق آشنا شخص ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

میرے آنے کی آہٹ پا کر خان بہادر کے دو چھوٹے بچے سعیدہ اور عبدالصمد ڈکر میرے پاس آگئے اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے، میں جب بھی جاتا تھا، دونوں بچے چچا امین آگئے، چچا امین آگئے زور سے پکارتے ہوئے میرے پاس آ جاتے تھے۔ آج بھی یہی ہوا۔ سعیدہ کی عمر اس وقت ۴، ۵ سال کی ہوگی۔ صمد اس سے چھوٹا تھا، بچوں نے میرے ساتھ آج ایک اور بزرگ کو دیکھا تو انھیں سلام کیا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خان بہادر نے سعید سے کہا جاؤ چچا کے لیے چائے لاؤ دونوں بچے چلے گئے۔

اب میں تھا، میرا مرشد، امام تھا اور خان بہادر میرا دوست تھا، وہ دونوں ایک ہی صوفے پر رونق افروز ہو گئے۔ قریب ہی میں بھی بیٹھ گیا۔ رسمی مزاج پرسی اور خیر و عافیت خواہی کے بعد وقت کی سیاست پر گفتگو شروع ہوئی، حضرت مولانا سیاست کی کوئی پیچیدہ بات خان بہادر کو سمجھانے لگے، میں نے دخل در معقولات کی اور مودبانہ گذارش کی:

"مولانا! خان بہادر کو سیاسی مزاق نہیں، ان سے پیچیدہ سیاسی بات کرنے اور انھیں سمجھانے اور مطمئن کرنے کی کوشش کیوں کریں جو کچھ ارشاد گرامی ہے ان سے برملا فرمائیے یہ آپ کے احکام کی تعمیل کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں کیوں کہ یہ میرے دوست ہیں۔"

خان بہادر صاحب نے اس بات کی تصدیق اور اعتراف میں سر جھکا لیا مولانا میری اس بات سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"ہاں خان! ہم کو علم ہے کہ خان بہادر تمھارا یار ہے، بہادر ہے، ہمت والا ہے آج ہم خان بہادر ہی کی بدولت اپنے وطن میں ہیں ہمیں تو بھی پیارا ہے اور تیرا یار بھی پیارا ہے۔"

میں یہاں مولانا کے الفاظ کے مطالب دہرا رہا ہوں۔ مولانا نے یہ بات کچھ ایسے انداز سے کہی تھی کہ میری آنکھیں اشک آلود ہو گئیں، خان بہادر بھی متاثر ہوئے۔ مجھے اپنے اس درجے پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ کہاں مجھ سا گنہ گار اور مولانا کا پیارا، مولانا کے اس لطف و کرم کے بارے میں اب بھی جب کبھی سوچتا ہوں تو ایک عجیب سا نشہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس گنہ گار اور ناقص و بے کار شخص پر اس مرد حق آگاہ کا کیسا لطف و کرم تھا۔ مولانا علیہ الرحمۃ کے یہ الفاظ سنے تو دل و دماغ پر حظ و لطف کا نشہ طاری ہو گیا اور فوراً نیچے بیٹھ کر مولانا کے نعلین کو میں نے چوم لیا، اپنے رخسار سے لگایا اور ان پر سر رکھ کر محو استراحت ہو گیا۔ سندھ کی ماضی حال سے گلے مل رہی تھی۔ اور مستقبل کی تعمیر کا سر و سامان ہو رہا تھا۔

مولانا عبید اللہ سندھی اور خان بہادر اللہ بخش کی یہ تاریخی ملاقات بہت طویل ہو گئی۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ دونوں کی ملاقات سے میں نے بہت سکون محسوس کیا۔ میں نے اللہ بخش کو مع اس کی حکومت کے مولانا کے ہاتھوں میں دے دیا تھا۔ اور مولانا سے کہہ دیا کہ مولانا یہ حکومت آپ کی قومی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکومت ہے آپ اسے جس طرح چلانا چاہتے ہیں حکم فرمادیں۔ میں نے محسوس کیا کہ خان بہادر اس ملاقات میں مولانا کی شخصیت سے اور ان کے افکار و تجربات سے بہت خوش ہیں اور صرف اسی وقت نہیں بعد کی ملاقاتوں میں بھی میں نے یہی بات محسوس کی، خان بہادر نے متعدد بار مولانا کا ذکر نہایت عقیدت کے ساتھ کیا۔ مولانا سندھی بھی اس ملاقات سے بہت خوش ہوئے تھے اور اُن کے تبریں، روحانیت سے لبریز اور الوہیت آمیز الفاظ اب تک میرے کانوں میں رس گھولتے محسوس ہوتے ہیں کہ: "خان! ہم تمہارے دوست اللہ بخش سے مل کر بہت خوش ہوئے ہم تمہیں تمہاری دوستی پر مبارک باد دیتے ہیں"۔

ملاقات کے لیے خان بہادر نے پہلے ہی اپنا موٹر بھیج دیا تھا۔ اب پھر ہم خان بہادر کے موٹر میں نکلے۔ سب سے پہلے کھڈہ (اسلام آباد) پہنچے مولانا حافظ محمد صادق اور حکیم فتح محمد سیوانی کے علم میں تھا میں مولانا کو لے کر خان بہادر سے ملاقات کو گیا ہوں وہ ملاقات کا حال معلوم کرنے کے لیے بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ یہ سن کر دونوں بہت خوش ہوئے کہ ملاقات بہت کامیاب رہی۔ دیر تک مجلس جمی رہی مولانا کا قیام حافظ محمد صادق مرحوم کے پاس تھا۔ وہ وہیں ٹھہر گئے، حکیم صاحب مرحوم کو میں نے ان کے کچہری روڈ والے مطب پر چھوڑا اور خود ہوٹل چلا گیا۔

سندھ کی تاریخ کا یہ بہت اہم واقعہ تھا۔ یہ سیاست کے دو اکابر کی ملاقات تھی۔ ان میں ایک عملی سیاست کا ماہر تھا اور دوسرا فلسفہ سیاست کا ماہر، مفکر، قوموں کے عروج و زوال کے اسرار و رموز کا محرم اور انقلابی تھا وہ ایسی مضطرب روح کو اپنے جسم میں لیے پھرتا تھا جس کی بصیرت دیکھ رہی تھی ایک انقلاب آ رہا ہے اور قوم غفلت میں پڑی ہوئی ہے نہ وہ خود انقلاب کی دستک کو سن رہی ہے اور نہ کسی صاحب بصیرت کی پکار پر کان دھرتی ہے۔

اللہ بخش شہید کی سیاست کی بنیادیں یہیں استوار ہوئیں تھیں، یہاں سے ان کی سیاسی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا۔ ظاہر بینوں نے صرف یہی دیکھا تھا کہ اس نے کانگریس سے مل کر سندھ میں وزارت بنائی تھی بلاشبہ وہ نیشنلسٹ خیالات رکھتا تھا اور فرقہ وارانہ سیاست کو مسلمانوں کے حق میں زہر ہلاہل سمجھتا تھا۔ لیکن یہ سمجھنا کہ وہ مسلمانوں کے مفاد سے اور ان کے مستقبل کی تعمیر سے غافل تھا، نادانی کی بات ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی ملاقات سے پہلے بھی مولانا حافظ محمد صادق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم فتح محمد سیوانی جیسے دوستوں اور مشیروں کی رہنمائی حاصل تھی۔ اور مولانا سندھی کی ملاقات کے بعد تو گو مولانا کی سرپرستی اسے حاصل ہو گئی تھی وہ نہ مسلمانوں کے مفاد کے خلاف کوئی بات سوچ سکتا تھا اور نہ ملک کی آزادی کی تحریک کو اپنے کسی عمل سے نقصان پہنچانے کا تصور کر سکتا تھا۔

جو شخص سندھ کی تاریخ کے اس اہم دور پر نظر نہیں رکھتا، جو اللہ بخش شہید کے سیاسی مقام اور کیریکٹر کی پختگی سے ناآشنا ہے اور جس نے مولانا عبیداللہ سندھی کے انقلابی افکار، ان کی سیرت اور ملک و قوم اور اس کی آزادی اور مستقبل کی تعمیر کے لیے ان کی خدمات کا مطالعہ نہیں کیا، یقین رکھنا چاہیے کہ اس کا سیاسی علم خام اور نامکمل ہے۔

مولانا سندھی مرحوم کے انقلاب آفریں افکار کی اہمیت صرف یہی نہیں کہ وہ ہماری سیاسی تاریخ کا بیش قیمت سرمایہ ہیں بلکہ ان کی اہمیت مستقبل کی تعمیر کے نقطۂ نظر سے بھی ہے ملک کی سیاست نے جو رُخ اختیار کر لیا ہے اور جلد یا بدیر جو حالات پیش آنے والے ہیں اور جن مسائل میں قوم کے الجھ جانے کا خطرہ ہے ان میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار ہی امید کی شمع ثابت ہوں گے۔

یہ واقعہ زبانی طور پر میں متعدد بار بیان کر چکا ہوں، تحریر میں کبھی نہیں آیا تھا۔ اب اگر میں اسے تحریر میں لانے کا سامان نہ کرتا تو یہ تاریخ پر ظلم ہوتا۔ تاریخ کسی کی خواہشوں کی تابع نہیں ہوتی وہ کسی کی خوشی کو دیکھتی ہے نہ کسی کے چین ابرو پر نظر ڈالتی ہے۔ کوئی پسند کرے یا ناپسند کرے تاریخ اپنا فیصلہ منوا کے چھوڑتی ہے۔

مولانا سندھی کے افکار، ان کی گہرائی و گیرائی اور ان کی عظمت کے بارے میں ہمیشہ سوچتا رہا ہوں۔ اس تاریخی ملاقات پر تقریباً ۳۲ برس اور مولانا کے انتقال کو تقریباً ۲۸ برس گزر چکے ہیں اس دوران میں مولانا سندھی کے افکار کی عظمت پر میرا یقین پختہ سے پختہ تر ہوتا گیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں ہوں یا نہ ہوں جو وقت آئے گا اس میں مولانا علیہ الرحمۃ کی فکر اور بصیرت کی حقانیت اور سچائی پر تاریخ اپنی مہر ثبت کرتی رہے گی اور دنیا محسوس کرے گی کہ وقت کے تمام مسائل کا حل انھیں علوم و معارفِ ولی اللّٰہی میں ہے جس کی تعبیر و تشریح اور تدریس میں مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی پوری عمر کھپا دی تھی۔

© rasailojaraid.com